(غلام گردش)

سائنس سے اتنا اجتناب کیوں؟

مسلمان ممالک میں ایک ہزار انسانوں میں صرف نو لوگ سائنس، انجینئرنگ اور دیگر سائنسی علوم کی طرف آتے ہیں۔ ترقی یافتہ ممالک میں یہ شرح حد درجہ مختلف ہے۔ وہاں ہزار میں سے اکتالیس لوگ سائنس کو اپنا اوڑھنا بچھونا بناتے ہیں۔ مسلمان ممالک میں یونیورسٹیوں کی تعداد دیکھیں تو کافی لگتی ہے۔ تقریباً اٹھارہ سو یونیورسٹیاں ہیں۔ مگر یہ جان کر عجیب سا لگتا ہے کہ صرف تین سو بارہ یونیورسٹیاں ایسی ہیں، جہاں کے اساتذہ اور سائنسدان کسی بھی سطح کا تحقیقی کام چھاپنے کی پوزیشن میں ہیں۔ یعنی تقریباً پندرہ سو درسگاہیں ایسی ہیں جہاں بین الاقوامی سطح کا کوئی کام نہیں ہو رہا۔ ان یونیورسٹیوں کا ہونا یا نہ ہونا بالکل برابر ہے۔ ان تعلیمی درسگاہوں کی جغرافیائی تقسیم بھی حد درجہ حیرت انگیز ہے۔ ان میں سے پچاس سب سے زیادہ محققین پیدا کرنے والی یونیورسٹیوں کی ترتیب میں، ترکی میں چھبیس اور پاکستان میں دو ہیں۔ یعنی اگر تین سو بارہ یونیورسٹیوں کو بھی تحقیق کی نظر سے دیکھا جائے تو ہمارے ملک میں بین الاقوامی سطح پر کام کرنے والی درسگاہیں نہ ہونے کے برابر ہیں۔

محیر العقول بات یہ بھی ہے کہ تقریباً پونے دو ارب مسلمانوں کے پاس سائنس کے نوبل پرائز صرف اور صرف دو ہیں۔ ایک فزکس اور ایک کیمسٹری میں۔ فزکس کے نوبل پرائز کو اگر اس فہرست سے نکال دیا جائے تو یہ نوبل پرائز صرف ایک رہ جاتا ہے۔ چھیالیس مسلمان ممالک میں جو سائنسی لٹریچر (Literature) شائع ہوتا ہے، وہ پوری دنیا کا صرف ایک فیصد ہے۔ یعنی باقی ننانوے فیصد سائنسی کتب اور رسالے ان ممالک سے شائع ہو رہے ہیں جنکا دین سے کوئی تعلق نہیں۔ وسائل کے حساب سے دیکھیں تو عرب دنیا خصوصاً مشرق وسطیٰ تیل کی بدولت بے حد امیر ہے۔ بے حساب دولت کی تقسیم حد درجہ غیر منصفانہ تو ہے ہی مگر تحقیقی ذہن کی مکمل عدم موجودگی کا حال دیکھیے۔ پورا مشرقِ وسطیٰ دنیا کی آبادی کا پانچ فیصد ہونے کے باوجود صرف اور صرف ایک فیصد سائنسی کتابیں چھاپنے کی استطاعت رکھتا ہے۔ انکے حکمران دنیا کے بیش قیمت ہوائی جہازوں، گاڑیوں اور محلات کے مالک ہیں۔ پُرتعیش بحری جہازوں میں چھٹیاں گزارتے ہیں۔ مگر سائنسی تحقیق کی دنیا میں خرچنے کیلئے انکے پاس ایک ٹکہ بھی نہیں ہے۔ تحقیق سے دور بھاگتے ہوئے ان لوگوں نے اگر کچھ کام کرنے کی بزدلانہ کوشش کی ہے تو صرف اونٹوں کی افزائش اور کھارے پانی کو پینے کے قابل بنانے کے شعبوں میں ہیں۔ نوبل انعام یافتہ سٹیون وینبرگ (Steven Weinberg) نے بے حد تلخ بات کہی ہے۔ ''مغرب میں بے حد ذہین مسلمان سائنسدان کام کرتے نظر آتے ہیں۔ مگر مسلمان ممالک سے آج تک مجھے ایک بھی قابل ذکر سائنسی مقالہ پڑھنے کو نہیں ملا''۔ یعنی بقول اس سائنسدان کے ہم لوگ یعنی مسلمان سائنس کی دنیا میں کوئی اہم کام نہیں کر پا رہے۔ سات صدیوں پہلے کی بات نہیں کر رہا۔ موجودہ وقت کے متعلق گزارشات پیش کر رہا ہوں۔

سوال یہ ہے کہ کیا یہ بات اَز حد تشویش ناک نہیں ہے کہ مسلمان دنیا، سائنس کے میدان میں مکمل طور پر صفر ہے۔ یہاں کسی کے پاس تحقیق کیلئے سرمایہ نہیں ہے، وقت نہیں ہے اور سب سے بڑی بات، یہاں کوئی بھی سائنسدان بننے کیلئے تیار نہیں ہے۔ ہماری درسگاہوں

کے اساتذہ کی طرف دیکھیے۔ بہت کم لوگ بذاتِ خود شوق سے، محنت سے اس شعبہ میں آئے ہیں۔ اکثریت کو جب زندگی کے ہر شعبے میں ناکامی کا مونہہ دیکھنا پڑتا ہے، تو مجبوری میں پڑھانا شروع کر دیتا ہے۔ اکثریت کی بات کر رہا ہوں۔ لازم ہے کہ ایسی بھی محنتی اقلیت موجود ہے جو بلند سطح کا تدریسی کام کرنا چاہتی ہے۔ مگر انکی تعداد آٹے میں نمک سے بھی کم ہے۔ یہ سب کچھ انتہائی خطرناک رجحان کی عکاسی کر رہا ہے۔ کم از کم میری سمجھ سے تو مکمل طور پر باہر ہے کہ ہم سائنسی میدان میں اتنا پیچھے رہ کر ترقی کی شاہراہ پر سفر کیسے شروع کر سکتے ہیں۔ مگر سکے کا ایک اور پہلو بھی ہے۔ چلیے، اپنے ملک سے شروع کر لیتے ہیں۔ یہاں اب ہر شہر میں یونیورسٹیاں اور انکے سب کیمپس کام کرتے نظر آئینگے۔ گورنمنٹ کی یونیورسٹیاں بھی بلند و بانگ دعوے کرتی ہوئی سنائی دینگی۔ سوال تو یہ ہے کہ یہ اگر بین الاقوامی سطح کی سائنسی تحقیق نہیں کر رہیں، اعلیٰ سائنسی تعلیم نہیں دے رہیں، تو بالاخر کر کیا رہی ہیں۔ تلخ جواب ہے۔ یہ صرف اور صرف طلباء کی جیب سے پیسے کھینچنے میں مصروف ہیں۔ اسکے علاوہ انکا کوئی کام نہیں ہے۔ ذاتی یعنی پرائیویٹ یونیورسٹیوں کے مالکان کی اکثریت تعلیمی تاجر حضرات ہیں جو صرف پیسہ کمانے میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ سرکاری یونیورسٹیوں میں کیا ہو رہا ہے۔ اس پستی کا اندازہ لگانا حد درجہ مشکل ہے۔ غیر سائنسی علوم سے کوئی عداوت نہیں۔ مگر کیا یہ ضروری ہے کہ ہم بے روزگاروں کی فہرست کو بڑھاوا دینے کیلئے لسانیات اور مینجمنٹ جیسے مضامین پر زور دیتے رہیں۔ کورے طلباء، کورے اساتذہ اور پھر حد درجہ ادنیٰ روزگار۔ لاہور میں ایسے لاکھوں ایم بی اے ہیں جو بیس سے تیس ہزار ماہانہ پر کام کر رہے ہیں۔ ہزاروں آئی ٹی ایکسپرٹ ہیں جو دس بیس ہزار ماہانہ کمانے میں عافیت سمجھتے ہیں۔ اردو، فارسی، عربی، پنجابی کے اساتذہ تو دس سے بارہ ہزار ماہانہ میں کثرت سے نظر آتے ہیں۔ قطعاً غیر سائنسی مضامین کے خلاف نہیں ہوں۔ مگر ہر سال، ہزاروں یا لاکھوں نوجوان بچے اور بچیاں، غیر معیاری یونیورسٹیوں میں غیر معیاری تعلیم حاصل کر کے پوری زندگیاں تلخی میں گزار دیتے ہیں۔ ویسے ہمارے مقامی یونیورسٹیوں نے سائنسی علوم پر بھی خوب ہاتھ صاف کیا ہے۔ آپکو فزکس، کیمسٹری، حساب کے فارغ التحصیل طلباء ملینگے جو ساری عمر جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں۔ آگے عرض نہیں کرنا چاہتا۔ کیونکہ معاملات حد درجہ تلخ ہیں۔

اس سنجیدہ سوال کا کیا جواب ہو سکتا ہے کہ پوری مسلمان دنیا، معیاری سائنسی تحقیق و تعلیم سے کیوں مبرا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وسائل کی کمی ہو۔ مگر مشرقِ وسطیٰ میں تو وسائل کی کوئی کمی نہیں۔ وہاں کیوں بین الاقوامی سطح کی یونیورسٹیاں نہیں ہیں۔ قد آور اساتذہ نہیں ہیں۔ طلباء نہیں ہیں جو سائنس کی دنیا میں قیامت برپا کر دیں۔ وسائل تو ہمارے جیسے ملکوں کا مسئلہ ہے۔ کیونکہ ہم عقلی، علمی اور جائز دولت کے لحاظ سے فارغ البال ملک ہیں۔ یہاں وزیر اعظم اور وزیر اعلیٰ، نئے سرکاری ہوائی جہاز خریدنے میں تو دیر نہیں لگاتے۔ مگر ایک تحقیقی ادارے کو پیسے دیتے ہوئے انکی جان نکلتی ہے۔ مختلف وزراء اعلیٰ کے ساتھ کام کر چکا ہوں۔ ایک بھی ایسا ''مرد درویش'' نظر نہیں آیا تو سائنسی علوم کی طرف توجہ رکھتا ہو۔ ہاں، اپنے اور آل اولاد کا معاشی مستقبل سنوارنے میں حد درجہ دلچسپی رکھتے ہیں۔ کم از کم 1984 سے تو یہی نظر آ رہا ہے۔ اس سے پہلے کے حالات بھی اسی پست سطح کی حکمرانی کے تھے۔ ویسے ''گڈ گورننس'' ہمارے خطے میں ہزاروں برس سے نمو نہیں پا سکی۔ قیافہ ہے کہ اگلے سینکڑوں برس بھی یہی زبوں حالی رہیگی۔

چلیے، وسائل کے مسئلہ سے آگے نکلتے ہیں۔ایسے لگتا ہے کہ پوری مسلم دنیا'' آزاد تحقیقی رویہ'' سے خوف زدہ ہے۔الجزائر سے لیکر سعودی عرب تک، پاکستان سے لیکر ملائشیا تک، ہمارا سماج، سوسائٹی یا نظام،'' آزاد سوچ'' کو حد درجہ خطرناک سمجھتا ہے۔اسے انگریزی میں Free Sense of Inquiry کہا جاتا ہے۔مسلم ممالک میں سنجیدگی سے نئی بات سوچنے پر مکمل پابندی ہے۔یہ پابندی کہیں بھی لکھی ہوئی نہیں ہے۔مگر یہ اَن دیکھی پابندی، ہماری جینز تک کو متاثر کر چکی ہے۔تقلید، تقلید اور صرف گھسی پٹی باتوں پر سرِ تسلیم خم کرنا کہنا ہمارا شعوری اور لاشعوری رویہ بن چکا ہے۔ہمیں نئی جہتوں میں سوچتے ہوئے بھی اب ڈر لگتا ہے۔مغرب میں باقاعدہ رہنے کا اتفاق تو نہیں ہے۔مگر آنے جانے کا حد درجہ اتفاق ہوا ہے۔وہاں کی درسگاہوں میں آپ آزاد طور پر ہر بات کر سکتے ہیں۔ویسے اب یہ محسوس ہو رہا ہے کہ وہاں بھی شدت پسندی جڑ پکڑ رہی ہے۔مگر یونیورسٹیوں کی حد تک علمی اور سماجی تعصب کافی حد تک کم ہے۔اپنے ملک کی بات کرنا زیادہ مناسب ہے۔کیونکہ بہر حال ہم نے رہنا یہاں ہے اور مرنا یہاں ہے۔ہمارے نظام میں نئی بات کہنے والے، نئی بات سوچنے والے کی سزا صرف اور صرف موت ہے۔ہم برداشت ہی نہیں کر سکتے کہ کوئی بھی ذی شعور، ہمارے فرسودہ اور جاہل معاشرے میں دلیل پر کوئی بات کر پائے۔سائنس کی دنیا تو شروع ہی ہر کلیے کی نفی سے ہوتی ہے۔ہمارے ہاں تو سوال کرنے کی گنجائش سرے سے موجود ہی نہیں تو نہ ماننے والی سطح پر کیا بات ہو سکتی ہے۔تاریخی شعور یہ سمجھاتا ہے کہ آزاد سوچ سات صدیاں پہلے صرف اور صرف مسلمانوں میں تھی۔بالخصوص بغداد اور قرطبہ میں اپنے زمانے کے بہترین دماغ صرف اسلیے اکٹھے ہوئے کہ آزادیِ تحقیق پر کسی قسم کی قدغن نہیں تھی۔ویسے قدغن کا لفظ استعمال کرنا مناسب نہیں ہے۔مسلمان معاشروں میں سوچ کو بڑھاوا دینے والا ماحول حکومتی سطح پر مہیا کیا گیا تھا۔فکری بلندی کا اندازہ لگایئے کہ مسلمان خلفاء بغداد میں بذاتِ خود یونانی سے کتابوں کو عربی میں ترجمہ کرنے کی جدوجہد کرتے رہتے۔ہارون رشید اور مامون رشید اپنی حیثیت میں خود مترجم تھے۔اس خاندان نے دنیا کی سب سے بڑی لائبریری قائم کی تھی۔جسکا نام''خزانہ تالحکماء'' تھا۔بعد ازاں مزید کشادگی دیکر اسکو تحقیق کا بہت بڑا ادارہ بنا دیا گیا تھا۔اسکا نام''بیت الحکماء'' رکھا گیا تھا۔پوری دنیا سے سائنسدان، علماء اور دانشور بغداد میں اکٹھے کر دیے گئے تھے۔

ہمارے مسلمان ممالک میں اتنی بھی تحقیقی آزادی نہیں، جتنی سینکڑوں برس پہلے بغداد اور قرطبہ میں تھی۔جو عنصر مسلمانوں کی جدیدت اور ترقی کا ضامن تھا، آج اکیسویں صدی میں ہمارے جیسے ممالک میں اسے مذہب دشمنی، سیکولرازم اور کسی حد تک لادینیت سمجھا جاتا ہے۔آج کسی بھی تقلیدی نظریہ کی دلیل کی بنیاد پر مخالفت کریں، آپکو قتل کی دھمکیاں ملنی شروع ہو جاتی ہیں۔پاکستان، ایران اور سعودی عرب اس جاہل رویہ کی عالمی آماجگاہیں ہیں۔یہاں جہاد کا مطلب اور مقصد سمجھے بغیر، غیر حکومتی عسکری لشکر، ہمسایہ ممالک میں لوگوں کو قتل کرنا صائب سمجھتے ہیں۔یہاں کوئی بھی فکری، تحقیقی اور علمی جہاد جیسا مشکل کام کرنے کیلئے تیار نہیں۔تحقیقی رویہ یا آزاد سوچ تو دور کی بات، ہمارے جیسے معاشروں میں تو سائنسی علوم کو رغبت سے پڑھنے والے لوگ کم سے کم تر ہوتے جا رہے ہیں۔ایسے لگتا ہے کہ ہم لوگ سائنس کو مغرب کا منفی ہتھیار سمجھتے ہیں۔اسکو اپنے معاشروں میں مشکلات پیدا کرنے کی سبیل گردانتے ہیں۔شائد اسی وجہ سے ہم تمام لوگ سائنس سے دور بھاگتے ہیں۔جدید علم کی روشنی شائد ہمیں نابینا کر دے؟

راؤ منظر حیات